مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کا ترجمان

ہفت روزہ ختمِ نبوت کراچی

مرزا غلام احمد قادیانی نے اللہ تعالیٰ کے
پیارے رسول حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین و تذلیل
کے لیے بہتان طرازی اور افترا پردازی کا ایسا ریکارڈ
قائم کیا کہ جس نے یہودیوں کے بہتان عظیم
کو بھی مات کر دیا۔

جلد ۳
۲۰ تا ۲۶ صفر ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۶ تا ۲۲ نومبر ۱۹۸۴ء
شمارہ ۲۲

خصائل نبوی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا ذکر

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

۴۔ حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن ابی اسحٰق عن الاسود بن یزید قال سالت عائشة عن صلوٰة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم باللیل فقالت كان ینام اول اللیل —— ثم یقوم فاذا كان من السحر اوتر ثم اتی فراشه فاذا سمع الاذان وثب فان كان جنبا افاض علیه من الماء والا توضأ وخرج الی الصلوٰة۔

م۔ اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یعنی تہجد اور وتر کے متعلق استفسار کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا معمول تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (عشاء کی نماز کے بعد) شب کے نصف اوّل میں استراحت فرماتے تھے۔ اس کے بعد تہجد پڑھتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اخیر شب ہو جاتی تب وتر پڑھتے اس کے بعد اپنے بستر پر تشریف لے آتے۔ اگر رغبت ہوتی تو اہل کے پاس تشریف لے جاتے یعنی صحبت کرتے پھر صبح کی اذان کے بعد فوراً اٹھ کر اگر غسل کی ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرما کر نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

فائدہ اطباء کے نزدیک بھی صحبت کے لیے بہترین وقت اخیر شب ہے کہ وہ اعتدال کا وقت ہے نیز سو کر اٹھنے کے بعد طرفین کی طبیعت بھی نشاط پر ہوتی ہے اول شب میں پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں صحبت مضر ہوتی ہے اور بھوک کی حالت میں زیادہ مضر ہے اخیر شب کا وقت اس لحاظ سے بھی اعتدال کا ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب طبی مصالح ہیں شرعاً جواز ہر وقت حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی اول شب اور دن کے مختلف اوقات میں صحبت کرنا ثابت ہے۔ البتہ بعض مشائخؒ نے لکھا ہے کہ عین نماز کے وقت اگر صحبت کی جائے۔ اور اس سے حمل ٹھہر جائے تو وہ اولاد نافرمان ہوتی ہے۔

بقیہ جنگ آزادی

صیفی پر پونے دو مہینے گذر چکے تھے، سُورج خاصی دیر سے غروب ہوا ہوگا۔ اندھیرا ہونے کے وقت تک وہ لوگ میرٹھ میں نہ تھے، اگر ہم فرض کریں کہ وہ آٹھ اور نو بجے کے درمیان میرٹھ سے چلے، نیز یہ فرض کریں کہ وہ مسلسل چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے رہے تو انہیں پورا سفر طے کرنے کے لئے آٹھ نو گھنٹے درکار تھے، ظاہر ہے کہ وہ مسلسل سفر جاری نہیں رکھ سکتے تھے، جا بجا تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرے بھی ہوں گے۔ غالباً یہ خیال بھی رکھا ہوگا کہ تعاقب میں کوئی آتا ہے یا نہیں آتا۔ اور وہ صبح ہوتے ہی دہلی کے سامنے موجود تھے، یقیناً انہوں نے بڑی ہمت، محنت، اور جانفشانی سے کام لیا ہوگا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کا ترجمان

جلد نمبر

شمارہ نمبر

ختم نبوت

فہرست

نمبر	عنوان	مصنف	صفحہ
۱	خصائل نبویؐ	شیخ الحدیث رحمہ	۲
۲	ابتدائیہ	محمد سعید جلالپوری	۵
۳	قادیانیوں کے ایک اعتراض کا جواب	مولانا تاج محمد فقیروالی	۷
۴	نفاذ اسلام کیلئے دس دن کے اقتدار کی ضرورت نہیں ہے۔	محمد سمیع اللہ اسلام آباد	۱۰
۵	انگریزوں کی سنگدلی کے واقعات	غلام رسول مہر	۱۳
۶	حضرت عبداللہ ابن مسعود رضہ	مفتی عبیداللہ الاسدی	۱۹
۷	دورہ افریقہ کی رپورٹ	مولانا منظور احمد الحسینی	۲۱

زیر سرپرستی

حضرت مولانا خان محمد صاحب دامت برکاتہم سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف

فی پرچہ

دو روپیہ

فون نمبر

۷۱۱۶۷۱

بدل اشتراک

سالانہ ــــ ۷۰ روپے

ششماہی ــــ ۴۰ روپے

سہ ماہی ــــ ۲۰ روپے

مدیر مسئول

عبدالرحمٰن یعقوب باوا

مجلس ادارت

مفتی احمد الرحمٰن

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر

مولانا بدیع الزمان

مولانا منظور احمد الحسینی

شعبۂ کتابت

محمد عبدالستار واحدی

ناشر

عبدالرحمٰن یعقوب باوا

طابع: کلیم الحسن نقوی انجمن پریس کراچی

مقام اشاعت: A/۲۰ سائٹرو مینشن ایم۔ اے جناح روڈ۔ کراچی۔

بدل اشتراک

برائے غیر ممالک بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک

سعودی عرب	۲۱۰ روپے
کویت، اومان، شارجہ، دوبئی، اردن اور شام	۲۳۵ روپے
یورپ	۲۹۵ روپے
آسٹریلیا، امریکہ، کینیڈا	۲۷۰ روپے
افریقہ	۲۱۰ روپے
افغانستان، ہندوستان	۱۶۵ روپے

رابطہ دفتر

مجلس تحفظ ختم نبوت

جامع مسجد باب الرحمت ٹرسٹ

پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی ۳

SHAMSI

For

CANVAS

&

TENTS

Bill No. 389
10-11-84

SHAMSI CLOTH
AND GENERAL MILLS LTD.
(KARACHI PAKISTAN)

HEAD OFFICE:

MILLS:

خالص اور سفید ——— صاف وشفاف

شکر (چینی)

باوانی شوگر ملز لمیٹڈ

پتہ
حبیب اسکوائر ایم اے جناح روڈ (بندر روڈ)
کراچی

ابتدائیہ

خواتین کی تصاویر اور جنرل ضیاء

”صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اس تأثر کو سختی سے رد کیا ہے کہ خواتین کو قومی شناختی کارڈوں پر تصاویر لگوانے کی ضرورت نہیں رہی۔ صدر نے کہا کہ بعض حلقوں میں یہ غلط تأثر پیدا کیا گیا ہے، حکومت اس بارے میں اپنا فیصلہ واپس لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ صدر نے کہا شناختی کارڈ پر خواتین کی تصویر کا چسپاں کیا جانا غیر اسلامی نہیں، حج پر جانے والی خواتین کے پاسپورٹ پر بھی تو تصاویر ہوتی ہیں۔ صدر نے کہا کہ شناختی کارڈ پر تصاویر چسپاں کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ ملکیت کا تعین کیا جاسکے“

(روزنامہ جنگ کراچی ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء)

موجودہ الحاد و بے دینی کے دور میں جناب صدر کا پاکستان میں نفاذِ اسلام کے پروگرام کی سرپرستی فرماکر اسے نافذ کرنے کی تگ ودو کرنا نہایت امید افزاء اور ایک قابل تقلید مجاہدانہ کارنامہ ہے ـــــ پھر جناب صدر کا یہ کہنا کہ ”پاکستان میں کسی ایسے قانون کے نفاذ کی اجازت نہیں دی جائے گی جو قرآن وسنت کے منافی ہو“ ان کے اصولی موقف اور نفاذ اسلام کے سلسلہ میں ان کے عزم واستقلال کی عکاسی کرتا ہے۔ جناب صدر اس دینی جذبہ اور اخلاص پر دلی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ خدا کرے وہ خوش اسلوبی سے نفاذِ اسلام کے مرحلہ کو طے کرنے میں کامیاب ہوجائیں ـــــ نفاذ اسلام کے سلسلہ میں قانون شہادت کا اعلان واضح طور پر اس کی نشاندہی کرتا ہے کہ نفاذِ اسلام کی منزل قریب سے قریب تر آچکی ہے۔ اور امید ہو چلی ہے کہ عدالتوں سے شروع ہوکر رفتہ رفتہ روزمرہ زندگی میں بھی اس کا نفوذ ہو جائے گا۔ پھر جیسے عدالتوں میں شرعی قوانین کی بالا دستی ہوگی ویسے ہی زندگی کے انفرادی مسائل میں بھی قرآن وسنت کے مطابق زندگی گذارنا آسان ہو جائے گا۔ جس سے یقیناً غیر اسلامی اور فرنگی قوانین کی ذہنی غلامی سے کُلّی نجات میسّر ہوگی یہ پروگرام اپنی جگہ نہایت وقیع اور قابل صد مبارک باد سہی۔ مگر نفاذِ اسلام میں اس قدر تدریج۔ (جیسا کہ کئی بار پہلے بھی اس طرف توجہ دلائی جا چکی ہے) ملک وملت کے حق میں کچھ مفید ثابت نہیں ہوگی۔ نفاذ اسلام کے عمل میں عجلت اور تیزی ملک وملت کے مفاد میں ایسے ہی مفید ہوگی جیسے ڈوبتے کو غرقابی سے بچانا۔ جیسے وہاں معمولی سستی جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے کہیں اس سے زیادہ نفاذِ اسلام میں کی گئی سستی ملک وملت کی تباہی جیسے بھیانک نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی جناب صدر کا

خواتین کے شناختی کارڈ پر تصویر کے سلسلہ میں جو بیان جاری ہوا۔ اس سے سابقہ تمام امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے اور نفاذِ اسلام کی منزل دور اور سابقہ تمام عزم ویقین متزلزل ہوجاتا ہے، کہ ایک طرف تو جناب صدر پاکستان میں کسی غیر شرعی اور غیر اسلامی قانون کے نفاذ کی قطعی طور پر اجازت نہ دینے کا اعلان فرماتے ہیں۔ مگر دوسری طرف ایک غیر شرعی، غیر اخلاقی اور الٰہی بغاوت پر مبنی فرنگی قانون پر اس قدر شدت سے عمل کرانے پر نہ صرف تلے ہوئے ہیں۔ بلکہ قرآن وسنت کے علی الرغم اسے صرف اس لئے غیر اسلامی نہیں سمجھتے کہ "حج پر جانے والی خواتین کے پاسپورٹ پر بھی تو تصویر ہوتی ہے"

ہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر جناب صدر کے ہاں قوانین کے اسلامی اور غیر اسلامی کا معیار کیا ہے؟ اگر ان کے ہاں غیر شرعی سے مراد وہ احکام اور قوانین ہیں جو قرآن وسنت کے منافی ہوں تو یقیناً تصویر کشی ایسا ملعون عمل ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قول وفعل اور عمل سے متعدد بار نہ صرف روکا بلکہ ایسے ناشائستہ افعال کے مرتکبین کو صراحتًا ملعون فرمایا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اس جرم کے مرتکب ہوں گے۔ پھر ذخیرہ احادیث میں بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر شکنی کی عملی تعلیم دی۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز جس میں تصویریں ہوتیں توڑے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔ (فتح الباری)

ذی روح کی تصویر سازی درحقیقت تخلیق ربانی کی نقالی ہے، جو ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت میں شریک ہونے کا دعویٰ ہے۔ پھر اس کو برقرار رکھنا یا اس پر خاموشی اختیار کرنا ایک طرح کی رضامندی ہے (جو کسی طرح بھی قابل برداشت نہیں) اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ تصویر کشی کی حوصلہ شکنی کی، یہاں تک کہ اسے صنم گری سے تعبیر فرمایا۔

ان تصریحات کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تصویر سازی جیسے ملعون فعل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دیدیا جاتا۔ مگر جناب صدر کا خواتین کے شناختی کارڈ پر تصویر لگانے کو منافی اسلام تصور نہ کرنا اور اسے لازمی قرار دینا واضح طور پر اس بدگمانی کا موجب ہوتا ہے کہ جناب صدر فرنگی قوانین کو قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھالنے کی بجائے بلاکم وکاست صرف نام کی تبدیلی کے ساتھ اسلامی آئین کا نام دینا چاہتے ہیں، ورنہ پھر نفاذ اسلام کے دعویٰ کے بعد غیر اسلامی قوانین کے اجراء کا کیا جواز ہے؟

ہم امید کرتے ہیں کہ جناب صدر اپنے ان نظریات سے رجوع فرماکر ایک سچے مسلمان کا کردار ادا کریں گے۔

رہا حج پر جانے والی خواتین کے پاسپورٹ پر تصویر کا لگا ہونا تو وہ بھی تصویر کے جواز کی دلیل نہیں۔ اس لئے کہ پاسپورٹ کی پالیسی وضع کرنے والے بھی وہی ہیں جن کی آنکھیں جلوۂ دانشِ فرنگ سے خیرہ تھیں۔

خسوف وکسوف

قادیانیوں کے ایک اعتراض کا جواب

مولانا تاج محمد صاحب مدرس قاسم العلوم فقیروالی

مرزا غلام احمد قادیانی کی عادت تھی کہ خواہ کیسی ہی متفق علیہ حدیث کیوں نہ ہو، اگر ان کی مسیحیت اور منشاء کے خلاف ہوتی تو فوراً رد کر دیتے۔ اور اس کے بالمقابل خواہ کیسی ہی ضعیف سے ضعیف روایت بھی کیوں نہ مل جائے۔ اگر اپنے مطلب اور منشاء کے مطابق دیکھتے تو فوراً قبول کر کے اپنی مسیحیت کی تائید میں ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیتے، چنانچہ "دارقطنی" کی رمضان المبارک میں خسوف وکسوف کے اجتماع کی روایت اس امر کی روشن دلیل ہے۔

مرزا صاحب نے ۱۸۹۱ء میں کتاب "ازالہ اوہام" لکھی اس کے صفحہ ۱۹۰ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"محققین کے نزدیک مہدی کا آنا کوئی یقینی امر نہیں ہے"

لیکن بعد ازاں جب خود مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تو "ازالہ اوہام" لکھنے کے قریباً پانچ برس بعد ایک رسالہ "انوار الاسلام" لکھا جو ۶ ستمبر ۱۸۹۶ء کو شائع ہوا۔ اس میں اپنے مہدویت کے دعویٰ کی تائید میں "دارقطنی" کی رمضان المبارک میں خسوف وکسوف والی روایت کو پیش کیا۔ اس کے بعد جب پانچ برس مزید گذر گئے تو اپنی مسیحیت کا طلسم ۱۸۹۹ء میں رسالہ "حقیقۃ المہدی" لکھ کر ان الفاظ میں توڑ دیا کہ:۔

"اس قسم کی تمام حدیثیں جو مہدی کے آنے کے بارہ میں ہیں ہرگز قابل وثوق اور قابل اعتبار نہیں ہیں"

ہم کہتے ہیں کہ جب مہدی کے آنے کے بارے میں بقول مرزا صاحب تمام حدیثیں ناقابل اعتبار ہیں تو پھر مرزا صاحب آنجہانی نے خود مہدویت کا دعویٰ کیوں کیا؟۔

اب آگے سنئے:۔ ۱۹۰۳ء میں ایک کتاب "تذکرۃ الشہادتین" لکھی۔ اس کے صفحہ ۲ پر یہ لکھا کہ:۔

"وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت اور گمراہی کے پھیلنے کے زمانہ میں براہ راست خدا سے ہدایت پانے والا، اور اس آسمانی مائدہ کو نئے سرے سے انسانوں کے آگے پیش کرنے والا تقدیر الٰہی میں مقدر کیا تھا، جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی وہ میں ہی ہوں"

اب ہم "دارقطنی" کی رمضان المبارک میں خسوف وکسوف کی وہ روایت درج کرتے ہیں، جس کو مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے دعویٰ مہدویت کی تائید میں پیش کیا ہے۔

عن عمرو بن شمر عن جابر عن محمد بن علی قال ان لمهدينا ايتين لم تكونا منذ خلق السموٰت والارض تنكسف القمر لاوّل ليلة من رمضان وتنكسف الشمس فی النصف منه ولم تكونا منذ خلق الله السموٰت والارض۔

(دار قطنی جلد اول صفحہ ۱۸۸۔ مطبع انصاری)
ترجمہ عمرو بن شمر جابر سے اور جابر محمد بن علی سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے مہدی کے لئے دو نشان ہیں۔ اور وہ ایسے ہیں کہ زمین و آسمان کی پیدائش جب سے ہوئی کبھی ان کا ظہور نہیں ہوا۔ (وہ دو نشان یہ ہیں) چاند گرہن ہوگا رمضان کی پہلی رات میں (یا قمر کی پہلی رات میں جو مہینہ کی چوتھی شب ہے کیونکہ مہینہ کی راتوں میں یہ پہلی رات ہے، جس کے چاند کو عرب کے محاورہ میں صرف قمر کہا جاتا ہے۔ اس لئے قمر کی پہلی رات چاند کی چوتھی شب ہوئی) اور سورج گرہن رمضان کے نصف میں ہوگا۔ (یعنی چودہ یا پندرہ تاریخ کو) اور وہ چاند گرہن اور سورج گرہن ایسے ہیں کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں کبھی ایسے گرہنوں کا ظہور نہیں ہوا"

دارقطنی کی اس روایت کو مرزا غلام احمد نے اپنے اوپر چسپاں کرتے ہوئے رسالہ "انوار الاسلام" مطبوعہ ۱۸۹۴ء کے صفحہ ۴۸ پر لکھا ہے

"دوسرا نشان مہدی موعود کا یہ ہے کہ اس کے وقت میں ماہ رمضان میں خسوف و کسوف (چاند و سورج گرہن) ہوگا۔ اور پہلے اس سے جیسا کہ منطوق حدیث صاف بتلا رہا ہے۔ کہ کبھی کسی رسول یا نبی یا محدث کے وقت میں خسوف و کسوف کا اجتماع رمضان میں نہیں ہوا۔ اور جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی ہے کسی مدعی رسالت یا نبوت یا محدثیت کے وقت میں کبھی چاند گرہن یا سورج گرہن اکٹھے نہیں ہوئے، اگر کوئی کہے کہ اکٹھے ہوئے ہیں تو بار ثبوت اس کے ذمہ ہے"

تاریخ احمدیت

مولوی دوست محمد شاہد تاریخ احمدیت حصہ دوم صفحہ ۳۱۵ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"گذشتہ صحیفوں بالنصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صلحائے امت محمدیہ نے خبر دے رکھی تھی کہ مسیح موعود کی سچائی کے لئے آسمان پر چاند اور سورج گرہن لگے گا۔ چنانچہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی واضح حدیث تھی کہ:۔ اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا آيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...... لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ، یعنی ہمارے مہدی کی تائید و تصدیق کے لئے دو نشان مقرر ہیں۔ جو زمین و آسمان کی پیدائش سے اب تک کسی مدعی کی صداقت کے لئے ظاہر نہیں ہوئے، اور وہ یہ کہ چاند کو رمضان میں (گرہن کی راتوں میں سے) پہلی رات یعنی تیرہویں تاریخ کو، اور سورج کو (گرہن کی تاریخوں میں سے) درمیانی تاریخ یعنی اٹھائیس کو گرہن لگے گا۔ اور جب سے یہ کائنات پیدا ہوئی ہے، ایسا کسی مدعی (مہدویت) کے وقت میں نہیں ہوا۔ کہ اس کے دعویٰ کے وقت میں رمضان کی ان تاریخوں میں خسوف کسوف ہوا ہو۔ علاوہ ازیں حضرت نعمت اللہ صاحب ولی اور بعض گذشتہ علماء مولوی حافظ محمد لکھوکے نے بھی خسوف و کسوف کے ظہور کی اطلاع دی تھی، بلکہ ملتان کے ایک مجذوب ولی کامل حضرت شیخ محمد عبدالعزیز پہاروی نے تو از روئے الہام یہ بھی خبر دے دی تھی کہ یہ نشان ۱۳۱۱ھ میں ظاہر ہوگا، سو آپ (مرزا غلام احمد) کی سچائی کی شہادت کے لئے اس پیشگوئی کے عین مطابق مشرقی ممالک میں ۲۰ مارچ ۱۸۹۴ء کو چاند گرہن اور ۶ اپریل ۱۸۹۴ء کو سورج گرہن ہوا۔

(بحوالہ اخبار آزاد ۳ دسمبر ۱۸۹۶ء اور سول اینڈ ملٹری گزٹ ۶ دسمبر ۱۸۹۶ء)

امام المتقین کا مصنف

مولوی منظور احمد مرزائی ابن مولوی محمد دلپذیر بھیروی اپنی کتاب "امام المتقین" منظوم پنجابی کے حاشیہ صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں کہ:۔ "حدیث وچ ہے حضورؐ نے فرمایا کہ ساڈے مہدی دی صداقت دے دو نشان ہین، جد تھیں دنیا بنی ہے کسی مامور من اللہ دی سچائی دے ایہہ نشان نہیں ہوئے، چن گرہن لگنے دیاں تاریخاں ۱۳-۱۴-۱۵ دے وچوں رمضان دے وچ

پہلی تاریخ یعنی ۱۳ر رمضان دی اور سورج گرہن لگنے دیاں ۲۷ر ۲۸ر ۲۹ دے وچوں درمیانی تاریخ یعنی ۲۸ر رمضان گرہن ہووے گا۔ سچیاں دے سردار حضرت نبی کریم صلی اللہ دی ایہہ پیشگوئی ۱۸۹۶ء دے وچ ہو بہو حضرت احمد مہدی (مرزا غلام احمد) دے زمانے دے وچ پوری ہوچکی ہے۔"

احمدیہ تبلیغی پاکٹ بک مطبوعہ ۱۹۳۴ء

قادیانی جماعت کے مشہور عالم اور مناظر مولوی عبدالرحمٰن خادم گجراتی کی احمدیہ تبلیغی پاکٹ بک کے تین مختلف ایڈیشن اس وقت ہمارے سامنے ہیں، ایڈیشن ۱۹۳۴ء کے صفحہ ۹۶ پر لکھتے ہیں "یہ خسوف وکسوف ۱۸۹۶ء میں ہوا" اور ص۹۳ پر لکھتے ہیں "یہ خسوف وکسوف ۱۸۹۴ء میں ہوا"

احمدیہ تبلیغی پاکٹ بک مطبوعہ ۱۹۳۸ء

احمدیہ تبلیغی پاکٹ بک مطبوعہ ۱۹۳۸ء کے ص۱۰۱ پر لکھتے ہیں کہ "یہ خسوف وکسوف ۱۸۹۶ء میں ہوا" اور ص۸۵۳ اور ۸۵۵ پر لکھتے ہیں کہ "یہ خسوف وکسوف ۱۸۹۴ء میں ہوا"

احمدیہ تبلیغی پاکٹ بک مطبوعہ ۱۹۵۲ء

احمدیہ تبلیغی پاکٹ بک مطبوعہ ۱۹۵۲ء کے ص۱۳۹، ۵۸۸، ۱۰۲۰ پر لکھتے ہیں کہ "یہ خسوف وکسوف ۱۸۹۴ء میں ہوا"

چاند گرہن کے متعلق متضاد بیانات

(۱) مولوی دوست محمد شاہد تاریخ احمدیت حصہ دوم ص۳۱۵ پر لکھتے ہیں کہ "چاند گرہن ۲۰ر مارچ ۱۸۹۴ء کو لگا تھا"

(۲) معراج الدین عمر "مختصر حالات مسیح موعود" ملحقہ براہین احمدیہ مطبوعہ ۱۹۰۶ء کے ص۸ پر لکھتے ہیں کہ چاند گرہن ۲۲ر مارچ ۱۸۹۴ء کو لگا تھا۔

(۳) عبدالرحمٰن خادم گجراتی احمدیہ پاکٹ بک مطبوعہ ۱۹۵۲ء کے صفحہ ۵۸۹ پر لکھتے ہیں کہ چاند گرہن ۶ر اپریل ۱۸۹۴ء کو لگا تھا"

قادیانیوں کے بیانات بالکل غلط

(۱) قادیانی کہتے ہیں، کہ رمضان المبارک میں خسوف وکسوف کا لگنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے، بالکل غلط ہے (بلکہ یہ امام محمد باقر کی روایت ہے)

(۲) قادیانی کہتے ہیں کہ حضرت شیخ محمد عبدالعزیز پہاروی نے از روئے الہام پیش گوئی کی تھی، بالکل غلط ہے۔

(۳) یعنی کہ ۱۳۱۱ھ میں خسوف وکسوف ہوگا۔ بالکل غلط۔

(۴) اس پیش گوئی کے مطابق ۲۰ر مارچ ۱۸۹۴ء کو چاند گرہن لگا۔ بالکل غلط،

(۵) قادیانی لکھتے ہیں کہ اخبار آزاد ۴ر دسمبر ۱۸۹۶ء میں لکھا ہے کہ ۲۰ر مارچ ۱۸۹۴ء کو چاند گرہن لگا بالکل غلط۔

(۶) یہ بھی لکھتے ہیں کہ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ ۶ر دسمبر ۱۸۹۶ء میں لکھا ہے کہ ۲۰ر مارچ ۱۸۹۴ء کو چاند گرہن لگا۔ بالکل غلط۔

(۷) "یہ خسوف وکسوف ۱۸۹۶ء میں ہوا" بالکل غلط

(۸) "یہ خسوف وکسوف ۱۸۹۴ء میں ہوا" بالکل غلط

(۹) "چاند کو گرہن ۲۲ر مارچ ۱۸۹۴ء کو لگا" بالکل غلط

(۱۰) "چاند کو گرہن ۶ر اپریل ۱۸۹۴ء کو لگا" بالکل غلط

ہم پوری ذمہ داری، کامل وثوق اور حتمی دعوے سے کہتے ہیں کہ مندرجہ بالا قادیانی بیانات میں سے ایک بات بھی صداقت پر مبنی نہیں ہے،

کافی عرصہ ہوا کہ راقم الحروف نے تاریخ احمدیت کے مؤلف دوست محمد صاحب شاہد کو ربوہ ایک خط لکھا۔ کہ خسوف وکسوف سے متعلق آپ نے اخبار آزاد اور سول اینڈ ملٹری گزٹ سے جو حوالے نقل کرکے درج کئے ہیں کیا آپ نے یہ دونوں اخبار دیکھے یا پڑھے ہیں، اگر خلافت لائبریری ربوہ میں یہ دونوں پرچے محفوظ ہوں تو میں اپنی تسلی کے لئے ربوہ آنے کو تیار ہوں، دوست محمد صاحب شاہد نے جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ لاہور جاکر کہیں سے ان پرچوں کو خود ہی ڈھونڈھ کرلیں۔ اور خط کے آخر پر یہ درج تھا کہ تحقیق کا یہ طریق ٹھیک نہیں ہے

لمحہ فکریہ

محمد سمیع اللہ اسلام آباد

نفاذ اسلام کیلئے دس دن کیلئے اقتدار کی ضرورت نہیں۔ علماء کرام سے التماس

اسلام آباد میں علماء کنونشن کے آخری روز (۵ جنوری ۱۹۸۴ء) اخباری اطلاعات کے مطابق صدر مملکت نے چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کو نفاذ اسلام کے لیے اپنی سفارشات پر عمل کر کے دکھانے کے لیے دس روز تک حکومت سنبھالنے کی جو پیشکش کی ہے۔ اس پر اسلامی حلقوں کو نہایت سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس پیشکش کا اطلاق سارے علمائے حق پر ہوتا ہے۔ مزید براں اس سے دو پہلو نکلتے ہیں کہ مکمل نفاذ اسلام اس زمانہ میں ناقابل عمل ہے۔ دوم کہ نفاذ اسلام کے لیے ایک بہت عرصہ درکار ہے۔

ہماری رائے میں تو نفاذ اسلام کے لیے دس دن کی بجائے صرف ایک دن کا بھی اقتدار اس شرط پر حاصل ہو کہ اس دن جو کام (یعنی جن قوانین کا اجراء) کیا جائے گا۔ اسے بعد میں یعنی اگلے روز کالعدم قرار نہیں دیا جائے گا۔ تو اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کافی ہے۔ نفاذ اسلام کا سب سے پہلا تقاضا (جس کی طرف ماضی میں غفلت برتی گئی ہے) یہ ہے کہ رائج الوقت جو قوانین قرآن و سنت کے منافی ہیں۔ انہیں فی الفور کالعدم قرار دے کر آئندہ تمام فیصلے قرآن و سنت کے احکام کے مطابق کیے جائیں۔ اور تمام کلیدی مناصب پر ایسے حکام مقرر کیے جائیں جو اسلامی فکر اور اسلامی کردار کے حامل ہوں۔

اگر صدر صاحب کے ارشاد کے مطابق شریعت کا نفاذ تدریجی عمل سے ہی کرنا ہے (جس کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔) تو سب سے پہلے کم از کم قبلہ تو درست کرنے کے لیے مندرجہ بالا بنیادی قدم اٹھانا ہوگا۔ ہمارے ملک میں بلند بانگ دعویٰ کے باوجود ابھی تک اسلام کو بطور قانون اور طرز معاشرت کے بالادستی حاصل نہیں ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۴۴، ۴۵ اور ۴۶ میں واضح ارشاد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں، ظالم ہیں، فاسق ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا وعید ہو سکتی ہے۔

ان حالات میں اشد ضروری ہے کہ علمائے کرام کی طرف سے صحیح صورتحال جناب صدر پر واضح کی جائے کہ نفاذ اسلام کے لیے اگر انہوں نے جرأت سے کام نہ لیا اور موجودہ روش پر قائم رہے تو اس پالیسی کے تحت سات سال کیا (جو بیت گئے ہیں۔) ستر (۷۰) سال میں بھی اس ملک میں نظام اسلام نہیں آ سکے گا انگریزی زبان کا ایک مقولہ (WHERE THERE IS A WILL THERE IS A WAY) یعنی اگر دل

میں چاہت ہے تو اس کے حصول کا راستہ نکل آتا ہے" اور جو شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے لیے صدق دل سے کوشش کرے گا۔ رب العزت اسکی راہ کی تمام مشکلات کو دور کردے گا۔ شرط صرف اخلاص کی ہے۔

پاکستان میں نفاذ اسلام کے بارے میں سست رفتاری پر اسلامی حلقوں کو بہت تشویش ہے اور وقتاً فوقتاً نہایت سنجیدگی سے اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ جواباً حکومت کے حکام اخباری بیانات کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ آخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی نفاذ اسلام میں بیس سال سے زائد عرصہ لگایا تھا۔ جبکہ ہمیں اب اقتدار سنبھالے ابھی سات سال ہی ہوئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ ایسے کلمات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ اس لیے صدر مملکت یا وزراء کو ایسے الفاظ زیب نہیں دیتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ۲۰ سال سے زائد کا عرصہ قرآن پاک کے نزول کا تھا۔ علاوہ ازیں جونہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو احکام موصول ہوتے ان سے فوراً عمل ہوا۔ اور اس میں کسی تدریجی عمل کو دخل نہیں تھا۔

پاکستان میں تدریجی عمل سے نفاذ اسلام کی جو کوششیں ہورہی ہیں۔ وہ ہماری نظر میں اس لحاظ سے کامیاب ہوسکتیں کہ خیر ایک قدم آگے بڑھاتا ہے اور شر ایک ہزار قدم آگے بڑھ کر اس کے اثرات کو ختم کردیتا ہے۔ اس کی مثال کچھ اسطرح کی ہے کہ سیلاب آرہا ہے اور ہم بجائے ہنگامی بنیادوں پر بند تعمیر کرنے کے تدریجی عمل سے تھوڑی تھوڑی مٹی پھینکتے رہیں۔ اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا۔ کہ وہ مٹی بھی سیلاب کے پانی میں گھل مل کر بیکار ہو جائے گی۔ لہذا سوڈان کی حالیہ مثال کو سامنے رکھتے ہوئے نفاذ اسلام کا کام ٹھوس بنیادوں پر یکسوئی کے ساتھ کرنا حالات کا ناگزیر تقاضا ہے۔

ماضی میں جب بھی علمائے کرام متحد ہوئے، انہوں نے اپنا مقصد حاصل کرلیا۔ جیسا کہ تحریک ختم نبوت وغیرہ۔ اب بھی انہیں نفاذ شریعت کے لیے اپنے فروعی اختلافات کو بھلا کر متحد ہونا چاہیے تاکہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ کی تکمیل ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں "ادخلوا فی السلم کافۃ" کا حکم فرمایا ہے (یعنی اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ) اور وہ منافقت کو برداشت نہیں کرتے۔ ارشاد ربانی ہے کہ "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" (یعنی منافق لوگ جہنم کے آخری گڑھے میں ہوں گے) اللہ تعالیٰ ہمیں قول وفعل کے تضاد سے محفوظ رکھیں کہ یہ منافقت ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہی ہے۔ اور پاکستان کو صحیح اسلامی مملکت بننے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ جس کو سر کرنے کیلئے علمائے کرام کو میدان عمل میں آنا چاہیے۔ ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہوں گے۔

بقیہ دورہ افریقہ

اس وقت درجہ حفظ میں ۵۰ کے قریب طلبہ اور درجہ کتب (درجہ ثانیہ تک) میں دس طلبہ ہیں۔ ۸ مدرسین پوری محنت کے ساتھ طلبہ کو تعلیم دے رہے ہیں۔ ذریعہ تعلیم اردو ہے، تاکہ طلبہ آئندہ انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو بھی سمجھ سکیں، اور علماء پاکستان و ہند سے رابطہ گہرا ہو سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ مدرسے میں ہائی اسکول کا بھی انتظام ہے۔ طلبہ ۳ تا ۵½ بجے شام تک میٹرک تک انگریزی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ہائی اسکول کی تعلیم دینے کے لئے جدید مسلمان ٹیچر کا انتظام کیا گیا ہے۔

انگریزوں کی سنگدلی کے حیرت انگیز واقعات

مولانا غلام رسول مہر صاحب رحہ

انگریزوں کی ذہنیت

کارتوسوں کے مسئلے نے تمام دیسی فوجوں میں شدید بے چینی پیدا کردی تھی، مگر انگریز اس سے بالکل بے پرواتھے، جس سرزمین پر وہ زیادہ تر یہاں کی سپاہ اور کمتر اپنی سپاہ کے ذریعے سے حکومت کر رہے تھے، اس کے باشندوں سے اجنبیت اور بے تعلقی کی مثالیں بہت ہی کم ملیں گی۔

اس سوال کو بالکل نظر انداز کر دیجئے کہ کارتوس واقعی قابل اعتراض تھے یا نہ تھے، لیکن جب سپاہیوں کے دل میں ایک خیال پیدا ہوچکا تھا تو اسے نرمی اور ملائمت اور تفہیم ہی کے ذریعے سے دور کرنا مناسب تھا، کارتوسوں کے استعمال پر اندھا دھند اصرار سے غلط فہمی بڑھ ہی سکتی تھی۔ اس میں کمی کا کون سا امکان تھا؟

پورے حالات سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو صاف واضح ہوجاتا ہے کہ انگریز یا تو یہاں کے لوگوں کو اس درجہ بے حیثیت اور غیر وقیع سمجھ بیٹھے تھے کہ ان کے مذہبی جذبات کے لئے بھی کسی نوع کا احترام ضروری قرار نہ دیتے تھے، یا یہ تسلیم کرلینا چاہئے کہ کارتوس ذریعہ تخریب مذہب تھے یا نہ تھے کہ انگریزوں کو مذہب کی تخریب میں بھی کوئی باک نہ تھا۔ ان کے خلاف ناراضی کے جو آتش گیر اسباب مدت سے فراہم ہو رہے تھے یہ تازہ سبب ان میں چنگاری بن کر گرا۔

میرٹھ چھاؤنی

میرٹھ دہلی سے تیس پینتیس میل کے فاصلے پر ہے وہاں کی چھاؤنی بہت بڑی تھی، جس کا محیط پانچ میل بتایا جاتا ہے، ٹھنڈی سڑک نے اسے دو حصوں پر تقسیم کردیا تھا۔ شمالی حصے میں گویا فوج مقیم تھی، دائیں جانب توپ خانے کی بارکیں تھیں، بائیں جانب رسالے کی اور بیچ میں پیادہ فوج رہتی تھی رسالے اور پیادہ فوج کے بارکوں کے درمیان چھاؤنی کا گرجا تھا اور بارکوں کے شمال میں پریڈ کا میدان تھا۔ دیسی سپاہیوں کی لائنیں جنوبی حصے میں تھیں، ان دونوں حصوں کے درمیان دکانیں اور مکانات تھے، ان کے اردگرد باغات اور درخت لگے ہوئے تھے، یورپی رجمنٹوں کے افسروں نیز توپ خانے کے افسروں کے بنگلے دیسی سپاہیوں کی بارکوں کے قریب تھے بریگیڈیر کا بنگلہ دائیں جانب توپخانے کی بارکوں اور سکوٹ کے قریب تھا۔ اس کے برعکس جرنیل کا بنگلہ دیسی سپاہیوں کی لائنوں سے نزدیک تھا، بریگیڈ کے کمانڈر یعنی بریگیڈیر کا نام ولسن اور ڈویژن کے کمانڈر یعنی جرنیل کا نام ہیوٹ تھا لہ

۲۴ راپریل ۱۸۵۷ء

اگرچہ حالات خاصے پریشان کن تھے اور فوجی افسروں کے لئے انتہائی احتیاط اور دور اندیشی سے کام لینا ضروری تھا۔ لیکن خدا جانے رسالے کے ایک افسر کرنیل سمائیتھ کو کیا سوجھی کہ اس نے یکایک ۲۴راپریل کو پریڈ کا حکم دیدیا تاکہ سپاہیوں کو نئے کارتوس کے استعمال کا طریقہ سکھائے، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بڑا تیز مزاج آدمی تھا اور چاہتا تھا کہ سب سے پہلے اپنی کارکردگی دکھائے۔ جنرل ہیوٹ نے یہ سنا تو بہت افسوس

SMYTH [2] HEWITT [1]

اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ہائے تم نے پریڈ کیوں کرائی میرا ڈویژن بالکل خاموش تھا۔ ایک مہینہ یا کچھ اور انتظار کر لیتے تو مصیبت خود بخود ٹل جاتی۔[1] یقیناً ایک نازک وقت میں فوج کی وفاداری کا امتحان لینے کا یہ طریقہ سراسر عاقبت نااندیشی پر مبنی تھا۔

۲۳ر اپریل کو پریڈ کا حکم جاری ہوا تھا۔ اسی دن شام کے وقت حوالدار میجر نے کپتان کو اطلاع دی کہ سپاہیوں میں بے چینی پھیلی ہوئی ہے اور پریڈ کا حکم منسوخ کر دینا مناسب ہوگا۔ سمائتھ کو تمام حالات بتا دیئے گئے لیکن اس نے کہا کہ پریڈ ضرور ہوگی۔

چنانچہ ۲۴ر کو پریڈ ہوئی ہر پلٹن میں سے پندرہ پندرہ آدمی بلائے گئے اور کل نوے آدمی پریڈ میں موجود تھے۔ سمائتھ نے کارتوسوں کی تقسیم کا حکم دیا۔ پانچ کے سوا سب نے لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ ہم بدنام ہو جائیں گے، البتہ پوری فوج کارتوس لے لے تو ہمیں بھی انکار نہ ہوگا۔

ان کا عذر بالکل بجا تھا۔ اگر وہ کارتوس لے لیتے تو باقی فوجی انہیں الزام دیتے کہ کیوں اپنا مذہب خراب کیا۔ اگر سب میں کارتوس تقسیم کئے جاتے اور وہ لے لیتے تو کسی کو بھی الزام دینے کی گنجائش نہ رہتی۔ لیکن سمائتھ جوش اور غصے میں بھرا ہوا تھا۔ اس نے فوجیوں کو واپس کر دیا اور ان کے خلاف عدالت میں مقدمہ چلانے کی تجویز پیش کر دی۔ ان پچاسی آدمیوں میں سے ۴۹ مسلمان اور ۳۶ غیر مسلم تھے، یہ بتانا اس لئے ضروری ہوا کہ بے چینی کسی ایک طبقے تک محدود نہ تھی بلکہ عام تھی

برج موہن سنگھ

جن پانچ آدمیوں نے کارتوس قبول کرلئے تھے۔ ان میں پیش پیش برج موہن سنگھ تھا۔ اس کے باپ کا پیشہ سُور پالنا تھا۔ یہ پہلے پیادہ فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ وہاں اس پر چوری کا مقدمہ بنا اور قید کی سزا ہوئی۔ رہا ہونے کے بعد اس نے نام بدلا اور رسالے میں بھرتی ہوگیا۔ ازسرِنو ملازمت اختیار کرتے ہی اپنے آپ کو کرنیل سمائتھ سے اس درجہ وابستہ کرایا کہ اکثر اسی کے بنگلے پر رہتا تھا[2]

انگریز اس کے سابقہ حالات سے ناواقف ہو سکتے تھے، دیسی کیوں کر ناواقف ہو سکتے تھے؟ جس شخص کے باپ نے انگریزوں کے لئے سور پالنے کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا۔ اسے مذہب سے کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ پھر وہ چوری میں قید ہو چکا تھا۔ گویا اس کی اخلاقی حیثیت بھی خاصی مشتبہ تھی، سب سے آخر میں یہ کہ وہ خوشامد کے ذریعے سے سمائتھ کی ناک کا بال بن چکا تھا۔ یہ بھی خیال تھا کہ اس کی الٹی سیدھی باتوں نے سمائتھ کو جوش دلایا اور وہ ہر مصلحت کو پس پشت ڈال کر پریڈ کرانے پر آمادہ ہوا۔

۲۴۔ اپریل کی پریڈ کے بعد اس شخص کے مکان کو سپاہیوں نے آگ لگا دی۔

انگریزوں اور دیسیوں کے مشورے

حکم سے انکار کا واقعہ پیش آ چکا تو ظاہر ہے کہ دیسی سپاہیوں کا رجحان نافرمانی کی طرف بہت بڑھ گیا ہوگا۔ یقین ہے کہ وہ باہم مشورے کرتے رہتے ہوں گے۔ یہ بھی یقینی ہے کہ سب لوگوں نے انکار کرنے والوں کے اس فعل کو سراہا ہوگا۔ بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعے کی خبر دہلی بھی بھیجی گئی تھی، نہ بھیجی جاتی تو آس پاس کی چھاؤنیوں میں اس کا پہنچ جانا عین قرین قیاس تھا۔ چونکہ بے چینی عام تھی اس لئے ہر جگہ کے سپاہیوں نے باہم مشورے شروع کر دیئے کہ کیا کرنا چاہئے۔

میرٹھ کے انگریز افسروں کا خیال تھا کہ کرنیل سمائتھ کی حددرجہ غیر دانشمندانہ بے احتیاطی سے ایک غیر مناسب واقعہ پیش آ گیا اور اسے زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے بے شک ذمہ دار افسر دانشمندی سے کام لیتے تو اشتعال رک جاتا۔ اور اغلب ہے صورت حال بدل جاتی، لیکن تعجب اس امر پر ہے کہ برگیڈیر ولسن یا جنرل ہیوٹ میں سے کسی نے بھی سمائتھ کی حددرجہ احمقانہ حرکت کے بُرے اثرات مٹانے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ اسے مزید تشویش انگیز اقدامات کی اجازت دیتے گئے تاآنکہ حالات نزاکت کی آخری منزل پر پہنچ گئے

فوجی عدالت

چنانچہ میرٹھ سے یہ تجویز منظوری کے لئے صدر میں بھیجی گئی کہ پچاسی سپاہیوں کے حالات

---

[1] کیئی جلد دوم صہ۴۳   [2] کیئی جلد دوم صہ ۴۲، ۴۳

کی چھان بین کے لئے دیسی افسروں کی فوجی عدالت قائم کی جائے اس عدالت کے لئے پندرہ افسروں کو نامزد کر دیا گیا۔ جن میں سے چھ مسلمان اور نو ہندو تھے۔

۶ / مئی سے مقدمہ شروع ہوا، الزام یہ تھا کہ ملزموں نے انفراداً اور اجتماعاً کارتوس لینے سے انکار کر کے کمان افسر کی حکم عدولی کی۔

ملزمین میں سے ایک حوالدار ماتا دین سنگھ بھی تھا۔ اس نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے بیان کیا کہ ہمیں کسی غیر مناسب ارادے کا شبہ ہو گیا تھا۔ اگر کارتوسوں میں کوئی ناجائز شے استعمال نہیں کی گئی تھی تو ہمارے کمان دار نے ان کے استعمال پر انتہائی اصرار کیوں کیا؟

کیئی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ دلیل ایسی نہ تھی جسے سراسر غیر معقول اور غیر منطقی قرار دیا جاتا۔ [1]

بنیادی امر

حق یہ ہے کہ فوجی عدالت کو صرف انکار یا حکم عدولی پر نظر نہیں رکھنی چاہئے تھی بلکہ یہ دیکھنا چاہئے تھا کہ انکار کن حالات میں اور کس بناء پر ہوا؟ فوجی سمجھتے تھے کہ کارتوسوں کے استعمال سے ان کے مذہب پر زد پڑے گی اور وہ برادریوں سے نکال دیئے جائیں گے۔ اگر انگریز ان کے مذہب پر حملے کے خواہاں نہ تھے تو انہیں فوراً اندازہ کر لینا چاہئے تھا کہ حکم سے انکار کا سبب سراسر معقول ہے، پھر انہوں نے معاملے کو ختم کیوں نہ کر دیا۔؟

سزا

جیسا کہ اندیشہ تھا فوجی عدالت نے پچاسی آدمیوں کو مجرم قرار دیدیا، اور سب کے لئے دس دس سال قید با مشقت کی سزا تجویز کی۔ ساتھ ہی سفارش کر دی کہ اس معاملے پر ہمدردانہ غور کیا جائے۔ سپاہیوں کا سابقہ چلن اچھا تھا اور وہ زیر بحث معاملے میں کارتوسوں کے متعلق جن افواہوں سے متاثر تھے وہ ایسی نہ تھی کہ انہیں بالکل نظر انداز کر دیا جاتا۔

مجھے یقین ہے کہ یہ فیصلہ انگریزوں کی مرضی کے مطابق ہوا ہو گا یا سمجھ لینا چاہئے، دیسی افسروں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ انگریزوں کی خوشنودی کے لئے سزا تجویز کر دی جائے۔

انگریزوں نے دیسی افسر اس لئے نامزد کئے تھے کہ معاملے کو غیر جانبداری کا رنگ دیا جا سکے، لیکن جو افسر دیسی تجویز ہوئے تھے وہ یقیناً ایسے ہی ہوں گے جو انگریزوں کی رائے اور مرضی پر چلنے میں بہت آزمودہ اور ثابت قدم ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ یہ سزا بہت سخت تھی اور اصل فعل سے اسے کوئی بھی مناسبت نہ تھی۔ لیکن جنرل ہیوٹ نے اس سزا کی تصدیق کر دی، حالانکہ اسے بہت رحم دل اور سپاہیوں کا خیر خواہ بتایا تھا۔ تجویز سفارش کے متعلق اس نے لکھا کہ سپاہیوں کا طرز عمل کسی تخفیف یا نرمی کے لئے گنجائش پیدا نہیں کرتا۔ آخر میں ان لوگوں کی سزا نصف کر دی گئی، جن کی مدت ملازمت پانچ سال یا اس سے کم تھی، فیصلہ یہ ہوا کہ مجوزہ سزا ۹ / مئی کی صبح کو علی الاعلان نافذ کی جائے،

سنگ دلی کا حیرت انگیز مظاہرہ

۹ / مئی کی صبح طلوع ہوئی دیسی رسالے کو پیدل پریڈ کے میدان میں آنے کا حکم مل گیا، گورا فوج اور توپ خانے کو اس طرح کھڑا کیا گیا کہ اگر کوئی سپاہی مزاحمت کی خفیف سی بھی حرکت کرے تو توپوں کے منہ کھول دیئے جائیں۔ اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، پچاسی مجرموں کو پہرے میں لایا گیا۔ پریڈ کے میدان میں پہلے ان کی وردیاں اتار دی گئیں۔ پھر لوہارنٹ کو حکم دیا گیا کہ ان مجرموں کو بیڑیاں پہنائی جائیں۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا۔ کیئی نے لکھا ہے کہ:۔

"یہ منظر بڑا دردناک تھا۔ ان بدنصیب آدمیوں کے یاس انگیز اشارے دیکھ کر بہت سے لوگوں کے دل میں ہمدردی کے جذبات متحرک ہو گئے۔ ان میں ایسے بھی تھے جو فوج کے گل سرسبد سمجھے جاتے تھے، یعنی وہ سپاہی جنہوں نے حد درجہ امتحانی حالات اور اجنبی مقامات میں حکومت برطانیہ کی خدمات انجام دی تھیں اور ان کی وفاداری میں کبھی تزلزل نہ آیا تھا۔ قیدی ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور بلند آواز کے ساتھ جرنیل سے التجائیں اور التماسیں کر رہے تھے، کہ ہم پر رحم کیجئے اور ایسی ذلت آمیز سزا نہ دیجئے، جب انہیں امید کی کوئی بھی کرن نظر نہ آئی تو وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب

[1] کیئی جلد دوم ص ۳۵-۳۶

ہو کر بُرا بھلا کہنے لگے کہ کیوں چپ چاپ
کھڑے ہمیں ذلت کا نشانہ بنتے دیکھ

رہے ہو؟ ؎۱

ظاہر ہے کہ گردو پیش توپیں لگی ہوئی تھیں اور ان کی امداد کے لئے ایک بھی حرکت سب کی یقینی موت کا باعث بن سکتی تھی۔ لہٰذا اگرچہ دلوں میں غیظ و غضب کا طوفان متلاطم تھا، تاہم صبر و ضبط کے سوا چارہ نہ تھا۔

انگریزوں کا اعتراف

ذمہ دار انگریزوں نے بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ فعل سراسر احمقانہ تھا اور اس درجہ احمقانہ جو تصور میں نہیں آ سکتا۔ فارسٹ لکھتا ہے کہ سپاہیوں کی حماقت کے بارے میں کوئی بھی رائے قائم کیجائے۔

"جو طرزِ عمل میرٹھ میں اختیار کیا گیا اس کی حماقت میں مبالغہ مشکل ہے۔ اس سے سپاہیوں میں سکون پیدا نہ ہوا بلکہ وہ مشتعل ہو گئے، ان کی وفاداری ختم ہو گئی۔ اور وہ مرعوب بالکل نہ ہو سکے" ؎۲

اس وقت جنرل این سن سپہ سالارِ اعظم تھا اس کے پاس فوجی عدالت کی کاروائی کی تفصیل پہنچی تو اگرچہ اس نے تصدیق کر دی تاہم غیر معمولی طریقِ عمل کے اختیار پر اظہارِ افسوس کیا کہ

"آدمیوں کو بیڑیاں پہنانا جس میں کئی گھنٹے
صرف ہوئے اور ان لوگوں کی موجودگی میں
یہ سب کچھ کرنا، جن میں سے بہتیروں کی
طبیعتیں برگشتہ تھیں، اور وہ کارتوسوں کی
داستان کو درست سمجھتے تھے، مجھے یقین
ہے کہ اس سے بریگیڈ کے دل پر سخت
ضرب لگی ہوگی۔ فوج کے مزاج اور ان
لوگوں کے جرم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے
انہیں ایسی رسم کی بجا آوری کے بعد محض
دیسی گارڈ کی حفاظت میں جیل بھیجنا
ناقابلِ تصور حماقت تھی" ؎۳

؎۱ فارسٹ جلد اول ص۲۹۳ ؎۲ فارسٹ جلد اول ص۲۹۳
؎۳ ANSON ؎۴ ،، ،، ،،

ذمہ داری کا مسئلہ

اس اظہارِ رائے سے کیا فائدہ جس پر عمل نہ ہو؟ اگر یہ فعل انتہا درجے کی حماقت پر مبنی تھا تو جو لوگ اسے حماقت سمجھتے تھے انہوں نے اس کی تلافی کے لئے کیا قدم اٹھایا؟ کیا کسی فعل کو احمقانہ سمجھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے؟ کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ انگریزوں کا طرزِ عمل اوپر سے نیچے تک غیر ہمدردانہ اور جانبدارانہ تھا؟ وہ اپنے کسی ذمہ دار افسر کی حماقت کو بھی بے تکلف نظر انداز کر دینا ضروری سمجھتے تھے اور فوجیوں کے صحیح انسانی جذبات کے لئے بھی ان کے دل میں کوئی احترام نہ تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ آگ جلاتی ہے۔ جس شخص نے آگ لگائی اسے پکڑنا چاہئے جلنے والے ایندھن کو ذمہ دار قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

جن اسباب کی تفصیل پہلے پیش کی جا چکی ہے ان کی کارفرمائی یقیناً ایک خاص نتیجے پر پہنچنے والی تھی۔ جنگ آزادی ضرور چھڑتی۔ البتہ نہیں کہا جا سکتا کہ کب چھڑتی اور اس کی صورت کیا ہوتی، لیکن اگر میرٹھ کو اس کا اولین باعث قرار دیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہاں سپاہی نہیں بلکہ انگریز افسر مجرم تھے، جنہوں نے پہلے سپاہیوں کے جائز مذہبی جذبات سے بے پروائی اختیار کی پھر انہیں ایسے فعل پر مجبور کیا جو مذہباً حرام تھا۔ سب سے آخر میں انہیں مجرم قرار دے کر نہایت ہی افسوسناک، ــــــ رنج دہ اور اشتعال انگیز انداز میں سزائیں دیں، اگر حق و انصاف کی طرف سے آنکھیں بالاہتمام بند کر کے انگریز افسروں کی پاسداری کو نصب العین نہ بنایا جاتا تو ۱۸۵۷ء پاک و ہند کی تاریخ میں غالباً آگ اور خون کے حروف سے ہرگز نہ لکھا جاتا۔

سپاہیوں کا فیصلہ

پریڈ میں بیڑیاں پہنانے کا معاملہ ۹ مئی کو پیش آیا تھا۔ اور ہفتے کا دن تھا۔ انگریز غالباً بالکل مطمئن تھے۔ کہ انہوں نے اپنی فرمانروائی کے حصار کو خوب مستحکم کر لیا۔ وہ اس بے پناہ طوفان سے بالکل بے خبر یا بے پرواہ تھے جو سینکڑوں سپاہیوں کے سینوں میں بپا ہو چکا تھا، پریڈ سے

واپس ہوتے ہی انہیں مستقبل کے متعلق فیصلہ کرنا پڑا۔ ان کے پچاسی ساتھی صرف اس لئے ذلت وقید کے مصائب میں مبتلا ہوئے کہ انہوں نے سب کے مذہبی جذبات کی ترجمانی میں سبقت کی تھی۔ ان کا ساتھ چھوڑ دینا ایک کھلی ہوئی بے غیرتی تھی۔ نیز انگریزوں نے ۹ رمئی کو پریڈ کے میدان میں جس سنگ دلی اور فرعونیت کا مظاہرہ کیا تھا، اس کے پیش نظر کسی کو اچھے سلوک کی نہیں بلکہ صرف منصفانہ سلوک کی بھی کیا توقع ہو سکتی تھی؟

چنانچہ قیدیوں کو چھڑانے کا فیصلہ کر لیا گیا اور اس کے لئے ۱۰ رمئی ۱۸۵۷ء کی شام کا وقت مقرر ہو گیا، جب تمام انگریز جن میں فوجی بھی شامل تھے۔ گرجے میں ہوتے اور ان کی طرف سے مسلح مزاحمت کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا تھا

سید ظہیر دہلوی کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ خود سپاہیوں نے بہادر شاہ کے سامنے جو واقعات پیش کئے۔ ان میں بتایا کہ قیدیوں کو چھڑانے اور ہنگامہ بپا کرنے کی انگیخت مستورات کی طرف سے ہوئی تھی۔ انہوں نے مردوں کو طعنے دیئے کہ سپہ گری کا دعویٰ کرتے ہو مگر نہایت بزدل، بے غیرت اور بے شرم ہو، تمہارے سامنے ساتھیوں کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنائی گئیں۔ اور تم سے کچھ نہ ہو سکا لو یہ چوڑیاں تم پہن لو اور ہتھیار ہم کو دو۔ ہم قیدیوں کو چھڑا لاتی ہیں۔ ۱؎

ڈاکٹر سین لکھتے ہیں کہ شام کے پانچ بجے بلا ہنگامہ بپا ہو گیا۔ باورچی کے لڑکے نے سپاہیوں کی بارکوں میں پہنچ کر بتایا کہ توپ خانہ اور گورا فوج سپاہیوں سے ہتھیار لینے کے لئے آ رہے ہیں۔ بس اس پر سپاہی پریشان ہو گئے۔ انہوں نے نہ تو وردیاں پہنی ہوئی تھیں اور نہ ان کے پاس ہتھیار تھے، رسالے کے سواروں نے قیدی چھڑا لئے ۲؎

۱۰ رمئی کی شام

۱۰ رمئی کی شام کو گرجے کا گھنٹہ بجنا شروع ہوا تو رسالے نے جیل خانے پر دھاوا بول دیا۔ قیدیوں کے چھڑانے کے باب میں روایتیں مختلف ہیں، ایک میں بتایا گیا ہے کہ رسالہ موقع پر پہنچا تو دیسی گارڈ کے سپاہی قیدیوں کو رہا کرا چکے تھے۔ اور

۱؎ داستان غدر صفحہ ۹۰-۹۱ ۲؎ سین کی کتاب صفحہ ۵۹

انہوں نے دوسرے قیدیوں کو بھی آزاد کر دیا۔ کمشنر کا بیان یہ ہے کہ رسالے نے موقع پر پہنچ کر اس بارک کی کھڑکیاں اکھاڑیں جس میں ان کے ساتھی بند تھے لیکن دوسرے قیدیوں کو نہ چھڑایا۔ البتہ پیادہ فوج اٹھی تو اس نے پرانے جیل خانے کے سات سو بیس قیدی رہا کر دیئے۔

ہمیں اختلاف پر بحث میں وقت صرف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ قیدیوں کو رہا کرا لیا گیا۔ اور جنگ آزادی شروع ہو گئی۔ دوسرے دیسی دستے بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

کرنیل میکنزی نے لکھا ہے کہ فوجی گورے اس زمانے میں اپنے ہتھیار گرجے میں نہیں لے جاتے تھے اور دیسی فوجیوں کا منصوبہ یہ تھا کہ سب لوگ گرجے پہنچ جائیں تو میگزین پر قبضہ کر کے سامان جنگ لے لیا جائے، پھر انگریزوں کو گرجے ہی میں ختم کر دیا جائے۔ اتفاق یہ ہوا کہ گرجے کا وقت اس روز نصف گھنٹہ مؤخر کر دیا گیا تھا اور دیسی سپاہیوں کو اس تبدیلی کا علم نہ تھا۔ یعنی گورا فوج ابھی گرجے نہیں گئی تھی اور بروقت حفاظت کے تیار ہو گئی۔

میرے نزدیک یہ بیان صحیح نہیں، رسالے کے لوگوں نے قطعاً میگزین کا رُخ نہ کیا بلکہ وہ سیدھے جیل خانے پہنچے اور قیدیوں کو چھڑا لائے، ان کا فیصلہ غالباً یہ تھا کہ اس کام سے فارغ ہوتے ہی میرٹھ سے دہلی پہنچ جائیں۔ اور وہاں دوسرے ساتھیوں سے بات چیت کر کے کوئی منظم سکیم بنائیں، بلاشبہ اس ہنگامے میں کچھ انگریز مارے گئے لیکن زیادہ تر وہی تھے جنہوں نے فوجوں کو روکنے کی کوشش کی۔ باقی جو لوگ مارے گئے ان کے ذمہ دار فوجی نہ تھے بلکہ عام لوگ تھے جو ایسے موقع پر افراتفری سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، ڈاکٹر سین لکھتے ہیں کہ دوکانداروں نے دوکانیں بند کر دیں۔ غیر ذمہ دار لوگ ادھر ادھر گھومنے لگے، چار گھنٹے کے بعد گوجر بھی اردگرد کے دیہات سے شہر پہنچ گئے ۳؎

یہ حقیقت بھی پیش نظر ہے کہ کرنیل سمتھ جو سارے

۳؎ سین کی کتاب صفحہ ۵۹

ہنگامے کا ذمہ دار تھا۔ عجیب طرزِ عمل اختیار کیا۔ کہ جب سپاہ کے اٹھنے کی خبریں ملیں تو متعدد افسر اپنے اپنے پیشوں کو روکنے کے لئے لائنوں کی طرف دوڑے، لیکن سائنتھ لائنوں کے قریب بھی نہ گیا۔ؔ وہ کمشنر کے ہاں گیا۔ جنرل کے ہاں گیا، بریگیڈیر کے ہاں گیا، رات ڈویژن کے صدر مقام میں بسر کی، لیکن پتہ نہ لیا کہ جو آگ اس نے خواہ مخواہ بھڑکائی تھی، اسے فرو کرنے کی کیا کیا تدبیریں ہو سکتی ہیں۔ گویا وہ غصیلا، شرانگیز، خود پسند اور متکبر ہونے کے علاوہ بزدل بھی تھا۔

انگریزوں کا اقدام

اب انگریز افسر اپنے خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے، انہوں نے گورا فوج جمع کی، ایک دستے کو خزانے کی حفاظت کے لئے کچہری میں مقرر کردیا۔ باقی فوج کو لیکر دیسی پیادہ فوج کی لائنوں کا رُخ کیا۔ اس لئے کہ خیال تھا کہ وہاں سب لوگ جمع ہوں گے، وہ لوگ ادھر ادھر ہر جگہ بکھر نکلے لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا۔ البتہ رسالے کی لائن کے پاس چند آدمی تھے ان پر گولیاں چلائی گئیں، تو وہ مکانوں کی اوٹ میں ہوگئے یا بھاگ کر جنگل میں چلے گئے۔ رات ہوچکی تھی اور کسی نے بھی ان کے تعاقب کا خیال نہ کیا۔ زیادہ تر اس لئے کہ انگریزی فوج مٹھی بھر تھی اور میرٹھ کو چھوڑ کر باہر نکلتے تو خدا جانے کتنی بڑی سپاہ سے مقابلہ پیش آجاتا۔ نیز پیچھے عام لوگ ہنگامہ کر دیتے تو سب کچھ برباد ہو جاتا۔

ہنگامے میں مختلف لوگوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر انگریزوں کی جانیں بچائیں، کمشنر کے جمعدار گلاب خاں نے پورے خاندان کو بچایا، مجاور چوکیدار نے مسز میکڈانلڈ کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالی۔ وہ نہ بچ سکی۔ لیکن نصیبن آیا کی مدد سے بچوں کو بچا لیا گیا۔ مسز کورٹنی کو دیسی سواروں نے بچایا، اصغر علی کے بنگلے میں جو عیسائی کرایہ دار تھا ان کی پوری حفاظت کی اور فسادیوں کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی۔ؔ

عجیب بات ہے کہ ۱۰ اور ۱۱ مئی کی رات کا نقشہ بڑے ہی ہولناک انداز میں کھینچا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ رات ہوتے ہی مکانوں کو آگ لگنی شروع ہوئی۔ آگ پھیلتی گئی شہتیر جل جل کر گرتے، گھوڑے بھاگتے دوڑتے، شور مچا ہوا تھا۔ کیئی کہتا ہے کہ یہ ایسی خوفناک رات تھی کہ تاریخ میں اس کا نقشہ شاذ ہی ملیگا۔ؔ

کیا یہ آگ ان لوگوں نے لگائی تھی جو انگریزی فرمانبرداری کا جوا اتار چکے تھے؟ جب خود ہی بتایا جاتا ہے کہ رات ہوجانے پر کہیں کوئی سپاہی نظر نہ آتا تھا اور یقیناً وہ میرٹھ سے جاچکے تھے۔ تو آگ کون لگا سکتا تھا؟ یقیناً یہ متفرق آدمیوں کا کام ہوگا جو بدنظمی کی حالت دیکھتے ہی بروئے کار آجاتے ہیں۔ اور کوئی بھی معاشرہ ان سے پاک نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس رات کے متعلق مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہو، یا سراسر افسانہ ہو، جس طرح کال کوٹھڑی کا واقعہ سراسر افسانہ تھا۔ بلاشبہ سپاہیوں نے سرکشی کی اور جن حالات سے وہ گذر چکے تھے ان میں سرکشی کے سوا چارہ نہ تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ جن انگریز افسروں نے انہیں روکنا چاہا انہیں قتل کردیا گیا۔ ممکن ہے جوش کی حالت میں کچھ اور زیادتی بھی ہوئی ہو، لیکن بعد ازاں وہ میرٹھ سے نکل گئے، اول اس لئے کہ گورا فوج کے حملے کا انہیں اندیشہ تھا۔ جن کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی اور وہ فوج خوب مسلح تھی، خود سپاہیوں کو اپنی صحیح تعداد کا اندازہ نہ تھا۔ اس لئے کہ اس وقت تک ابھی سب لوگ ایک رائے پر پختہ نہیں ہوئے تھے، دوم اس لئے کہ وہ جلد سے جلد محفوظ مقام پر پہنچ جانا چاہتے تھے تاکہ اطمینان سے آئندہ کا پروگرام سوچیں اور قریب ترین محفوظ مقام دہلی تھا۔ جو تیس پینتیس میل کے فاصلے پر تھا۔ ایک تجویز یہ بھی تھی کہ روہیل کھنڈ چلے جائیں لیکن قرب کے باعث دہلی کو چنا گیا۔ بعض ہاپڑ چلے گئے۔ بعض نے باغپت کا رخ کیا۔ بعض چند روز بعد گوڑگانوہ کے قریب ملے۔

سفر ایک سوال یہ بھی ہے کہ انہوں نے رات کے وقت اتنا لمبا سفر کیونکر طے کیا۔ مئی کا مہینہ تھا اور اعتدال

ؔ کیئی جلد دوم ص ، ۳ ؔ کیئی جلد دوم ص ۵۱۔

ؔ کیئی جلد دوم ص ۵۱

رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود

مولانا مفتی عبید اللہ الاسعدی مدظلہ

مختصر حالات

اسم گرامی عبداللہ، کنیت ابو عبدالرحمٰن والد مسعود بن غافل، بنو ہذیل سے تعلق تھا۔ والدہ ام عبد بنت عبدود، یہ بھی اسی خاندان سے تھیں، کبھی کبھی والدہ کی طرف نسبت کرکے ابن ام عبد بھی کہا جاتا تھا۔ کوتاہ قد ہلکا جسم اور نہایت گندمی رنگ تھا بالکل شروع میں اسلام لائے تھے، چنانچہ ان سے منقول ہے کہ میں چھٹا اسلام لانے والا تھا۔ مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت آپ نے ہی کی اور قریش کو سنا سنا کر پڑھا۔ اسی کی وجہ سے ان کو تکلیفیں بھی بہت پہونچائی گئیں۔ اسلام لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پورے طور پر اپنا ہی بنا لیا تھا چنانچہ مختلف قسم کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خدمات کیا کرتے تھے، حضورؐ کے وضو و غسل، اور مسواک و نعلین کے ذمہ دار آپ ہی تھے۔ آپ ہی حضور کو جوتے پہناتے اور جب کہیں بیٹھنا ہوتا تو اتار کر اپنے پاس رکھتے، جب حضور کہیں تشریف لے جاتے تو آپ کے آگے آگے چلتے اور غسل کے موقع پر پردہ کرتے، سونے کے بعد آپ ہی حضورؐ کو بیدار کرتے، اور بغیر کسی روک ٹوک کے حضورؐ کے گھر میں آتے جاتے، اور خود آپ اور آپ کی والدہ دونوں ہی بکثرت آتے جاتے تھے، حتیٰ کہ بعض نو وارد آپ اور آپ کی والدہ کو حضورؐ کے گھر کا ہی فرد خیال کرتے انہوں نے حبشہ کی ہجرت بھی کی اور پھر مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی، حضورؐ کی حیاتِ مبارکہ میں پیش آنے والے تمام واقعات میں رہے، اور ہر ہر غزوے میں رہے اور ہر معاملہ میں۔ البتہ حضورؐ کی وفات کے بعد اہم معرکوں میں سے صرف یرموک میں شرکت کی، غزوہ بدر میں ابوجہل کا کام انہوں نے تمام کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں علو مرتبہ اور فضل و کمال بلکہ جنت کی شہادت کی خبر دی،

امام احمد نے حضرت علیؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ اگر میں عامۃ المسلمین کے مشورہ کے بغیر کسی کو امیر بناتا تو ابن مسعود کو بناتا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں کوفہ کے بیت المال کے ذمہ دار آپ ہی تھے۔ اخیر عمر میں مدینہ طیبہ میں واپس تشریف لے آئے، اور ۳۲ھ میں ۶۰ سال سے کچھ اوپر عمر میں انتقال فرمایا۔ اور رات کے وقت بقیع میں دفن کئے گئے۔

مرتبۂ علم

حضرت ابن مسعودؓ صحابہ کرامؓ میں کتاب اللہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان سے کلام پاک سننا پسند فرماتے تھے، چنانچہ انہوں نے خود نقل کیا ہے کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

مجھے سورۃ نساء سناؤ، میں نے عرض کیا میں سناؤں؟ آپؐ تو خود صاحب وحی ہیں، حضورؐ نے فرمایا کہ میں دوسروں سے ہی سننا چاہتا ہوں، چنانچہ میں نے حضورؐ کو سنایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے جو قرآن کو ویسے ہی تروتازہ پڑھنا چاہے جیسے کہ نازل کیا گیا تو ابن ام عبد

کی قرات کے مطابق پڑھے،

حضرت ابن مسعودؓ کو بھی اس چیز کا احساس تھا۔ چنانچہ وہ اس چیز پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے حضرت زید بن ثابت رضؓ سے زیادہ اپنے آپ کو قرآن مجید کی نقل و کتابت کا اہل خیال فرماتے تھے،

مشہور تابعی حضرت مسروقؒ سے منقول ہے کہ تمام حضرات صحابہ کا علم چھ افراد میں سمٹ آیا تھا، حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ حضرت ابودرداءؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ، پھر ان چھ کا علم دو میں ہوگیا۔ یعنی حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ

حضرت حذیفہؓ سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ ہمیں کوئی ایسا آدمی بتائیے جو اپنی چال ڈھال اور طور و طریق میں سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا ہو۔ تاکہ ہم اس سے استفادہ کریں، انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابن مسعود رضؓ کے علاوہ کسی کو ایسا نہیں سمجھتا۔ حضرت عمرؓ نے جب ان کو کوفہ روانہ کیا تو اہل کوفہ کے نام اپنے پیغام میں تحریر فرمایا "عمار بن یاسرؓ کو تو میں امیر بنا کر بھیج رہا ہوں، اور ابن مسعودؓ کو تمہارا معلم اور استاذ اور ان کا وزیر و مددگار بنا کر، یہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چیدہ اصحاب اور اہل بدر میں سے ہیں، لہٰذا ان کی پوری پوری اقتداء کرنا، ان کی بات سننا۔ اور اطاعت کرنا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے حق میں تو میں نے اپنے اوپر تم کو ترجیح دی ہے"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مدت تک کوفہ میں مقیم رہے۔ اہل کوفہ ان سے حدیث اور تفسیر و فقہ کے علوم حاصل کرتے رہے وہ اہل کوفہ کے استاذ بھی تھے اور ان کے قاضی بھی اور اہل کوفہ کے طرۂ امتیاز، یعنی قرآن و حدیث کی نصوص میں کسی مسئلہ کا ذکر نہ ملنے پر قیاس و رائے سے کام لینا اس کے بانی مبانی آپ ہی ہیں۔

حضرت علیؓ جب کوفہ تشریف لائے تو وہاں کے کچھ لوگ ان کی خدمت میں آئے اور انہوں نے حضرت عبداللہ کے بعض ارشادات کا ذکر کرنے کے بعد کہا،

"اے امیرالمؤمنین! ہم نے حسن اخلاق، تعلیم و تربیت میں نرمی، حسن مجالست اور شدت تقویٰ میں عبداللہ ابن مسعود سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔

حضرت علیؓ نے یہ سن کر فرمایا۔

تم کو اللہ کا واسطہ کیا یہ بات تم دل کی گہرائیوں سے کہہ رہے ہو؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں! تو فرمایا "اے اللہ تو گواہ رہ میں بھی یہی کہتا ہوں، بلکہ وہ اس سے بھی کہیں زیادہ افضل ہیں"[1]

تفسیر میں مرتبہ

ابن جریر وغیرہ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے "ہم صحابہ کا معاملہ یہ رہا کہ ہم میں سے کوئی اگر قرآن کی دس آیات بھی سیکھتا تو جب تک ان کے معانی اور ان پر عمل سے واقف نہ ہو جاتا۔ ان سے آگے نہ بڑھتا۔

ان کے اس بیان سے تفسیر کے سلسلہ میں خود ان کی حرص کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، مسروق سے منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضؓ نے فرمایا "بخدا کوئی آیت قرآن کی ایسی نازل نہیں ہوئی کہ جس کی بابت مجھے یہ علم نہ ہو کہ کس کے حق میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ اور اگر مجھے کسی ایسے شخص کا علم ہو جو مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہو تو اگرچہ اس تک سواریوں کے ذریعہ پہنچا جا سکے میں اس کے پاس ضرور جاؤں،

انہیں مسروق کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ ایک سورت تلاوت فرماتے اور پھر پورے دن اس کی تفسیر فرماتے

حلیہ میں ابو نعیم نے بواسطہ ابوالبختری نقل کیا ہے کہ لوگوں نے حضرت علی سے عرض کیا کہ ابن مسعود رضؓ کی بابت ہمیں بتائیے، حضرت علی رضؓ نے فرمایا۔ قرآن و سنت کا علم حاصل کر کے اس کے ہو کر رہ گئے اور علم کے لئے یہ دونوں بہت کافی ہیں"

حضرت عقبہ بن عامرؓ نے فرمایا "حضرت عبداللہؓ سے زیادہ قرآن کا علم رکھنے والا میرے علم میں کوئی نہیں" یہ سن کر حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا آپ کا یہ کہنا صحیح ہے۔ اس لئے کہ وہ ایسے وقت میں بھی حضورؐ کے ارشادات کو

---

[1] اسد الغابۃ ج ۳ ص ۲۵۹ - ۲۶۰

سنتے تھے کہ جس میں ہماری حاضری کا موقع نہ تھا اور نہ ہم حاضر ہوتے تھے۔

خود حضرت ابن مسعودؓ سے صحیح روایات میں منقول ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ۷۰ ستر سورتیں سیکھی ہیں" حضرت ابو وائل سے مروی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے دوسرے تمام مصاحف کو جلوا دیا اور اس کی خبر حضرت ابن مسعودؓ کو پہونچی تو انہوں نے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خوب جانتے ہیں کہ میں ان سب سے زیادہ اللہ کی کتاب سے واقف ہوں اگرچہ میں ان میں سب سے زیادہ افضل و بہتر نہیں ہوں، اور اگر میرے علم میں کوئی بھی ایسا آدمی ہو جو کتاب اللہ کے علم میں مجھ سے فائق ہو تو اگرچہ اس تک پہونچنے کے لئے اونٹ پر سفر کرنا پڑے میں اس کے پاس ضرور جاؤں گا

حضرت ابو وائل کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کی یہ بات سن کر میں حضرات صحابہ کے مجمع میں گیا کہ سنوں آخر وہ ان کی اس گفتگو پر کیا تبصرہ کرتے ہیں۔ تو مجھے کوئی بھی ایسا نہ ملا جس نے ان کی اس بات کو رد کیا ہو اور اس کا انکار کیا ہو،

ان کے علاوہ بے شمار صحابہؓ و تابعینؒ کے آثار ہیں جو تفسیر میں حضرت ابن مسعودؓ کی اعلیٰ قدر و منزلت پر شاہد ہیں۔ اور حد یہ کہ خود حضرت ابن مسعودؓ اپنی اس حیثیت سے واقف تھے اور اس کو ذکر کرتے تھے، اور صحابہ کرام نہ صرف یہ کہ ان کی اس بات کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ خود بھی ان کی اس علمی قدر و منزلت اور کتاب اللہ کے معانی و مفاہیم سے واقفیت کو نمایاں کرکے بیان کرتے تھے

اس باب میں ان کے امتیاز اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور نبوی سرچشمۂ علم سے سب سے زیادہ کسب علم و فیض کا باعث وہی ہے جو حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے ذکر کیا ہے، یعنی عام حاضری کے اوقات کے علاوہ مخصوص اوقات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری اور کلام نبوی کے سننے سننے سے مشرف و باریاب ہونا ان کی اعلیٰ قدر و منزلت اور صحابہ کے مجمع میں نمایاں شان وحیثیت کی بابت ایک بڑی شہادت

حضرت ابوالدرداء کا وہ ارشاد ہے جو حضرت ابن مسعودؓ کی وفات کے بعد انہوں نے فرمایا تھا۔ کہ ابن مسعودؓ نے اپنے بعد اپنا کوئی مثل نہیں چھوڑا۔

خلاصہ یہ کہ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ اللہ کی کتاب کے جاننے والے اور اس کے علوم، محکم و متشابہ، حلال و حرام، قصص و امثال اور سبب نزول سے واقف تھے، دین کی صحیح سمجھ، سنت کا پورا پورا علم اور کتاب اللہ پر گہری نظر کے حامل تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے تفسیر کی روایت اور اس کا مرتبۂ صحت

صحابہ کرام میں سے حضرت ابن عباسؓ کے بعد سب سے زیادہ تفسیری روایات حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہیں! جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے اتقان میں تصریح کی ہے نہ اور جیسے ان سے عام علوم اکثر و بیشتر اہل کوفہ نے حاصل کئے اس لئے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا قیام انہیں کے درمیان رہا۔ لہٰذا ان کو اس علمی بحر بیکراں سے استفادہ کا خوب موقعہ ملا، اسی طرح علم تفسیر بھی زیادہ تر اہل کوفہ نے ہی ان سے حاصل کیا۔ مشہور کوفی رواۃ میں مسروق بن اجدع ہمدانی علقمہ بن قیس نخعی، اور اسود بن یزید ہیں۔

یوں تو حضرت ابن مسعودؓ سے بہت بڑی تعداد میں تفسیری روایات ملتی ہیں جیسا کہ کتب حدیث اور ان کتب تفسیر میں آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ جن میں سلف سے منقول تفسیر کے ہی جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، لیکن ان ساری روایات کا یکساں حال نہیں، بعض تو لائق اعتماد ہیں اور بعض کے راویوں میں کسی وجہ سے ضعف اور بعض بعض میں انقطاع بھی ہے۔ کہ سلسلہ کے تمام ناقلین کے نام مذکور نہیں ہیں۔

اول اعمش کا سلسلہ جو ابو الضحیٰ سے بواسطہ مسروق حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں یہ سلسلہ سب

باقی صفحہ ۲۳ پر

نہ الاتقان ج ۲ ص ۱۸۷

مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے وفد کے دورۂ افریقہ کی رپورٹ

تحریر: مولانا منظور احمد الحسینی

ہمارے وفد نے جو افریقہ کے دورہ پر روانہ ہوا تھا اپنے سفر کے دوسرے مرحلے میں کینیا کے دارالحکومت نیروبی (مشرقی افریقہ) میں صرف دو دن قیام کیا۔ یہاں کی مقامی زبان سواحلی ہے۔ نیز انگریزی بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے، کینیا کی کل آبادی تقریباً دو کروڑ ہے، اور مسلمانوں کی تعداد چالیس فی صد کے لگ بھگ ہے، دارالحکومت نیروبی شہر کے علاوہ ممباسہ، کیسومو، الڈوریٹ، اور اسولو وغیرہ مشہور شہر ہیں۔ پورے ملک میں افریقن مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ان کے علاوہ ایشین مسلمانوں کی بھاری تعداد یہاں مقیم ہے۔ جن کا تعلق بنگلہ دیش، پاکستان اور انڈیا سے ہے۔ کسومو اور ممباسہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

حکومت کی طرف سے مذہب کے بارے میں یہاں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جاتی۔ بلکہ اب ہر اسکول میں کسی حد تک عربی نیز اسلامیات جاننے والے ٹیچر کا تقرر ضروری قرار دیا گیا ہے۔

کینیا میں مسلمانوں کو بہت سے مسائل درپیش ہیں سب سے بڑا مسئلہ افریقن مسلمانوں کی غربت اور اس غربت سے عیسائی مشنری کا ناجائز فائدہ اٹھانا ہے اس سلسلے میں ہم نے نیروبی کے مسلمان تاجر جناب سلیمان حسین سے ملاقات کی جو اسلامک ریلیجیس ایسوسی ایشن کے چیئرمین ہیں۔ آپ میں اسلامی فکر اور دینی درد خوب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ آپ نے بتایا کہ اندرون کینیا میں عیسائی مشنری بہت زوردار طریقے پر کام کر رہی ہے۔ خصوصاً غریب افریقن مسلمانوں کے علاقوں میں گرجے گھر، مشن ہسپتال، مشن اسکولز تعمیر کئے گئے ہیں، کنویں کھودے گئے ہیں۔ مختلف جگہوں پانی کے نل لگوائے گئے ہیں۔ اسی طرح روزانہ کھانا بھی مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔

ایک مقام دھادا جو جنگل میں واقع ہے وہاں انہوں نے ایک بڑا گرجا بنایا ہے تاکہ راہگیروں اور مسافروں کے متاعِ ایمانی کو لوٹا جا سکے۔ اس سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ یہاں اس گرجے کے مقابلے میں دو پہاڑوں کے درمیان ایک خوبصورت مسجد بنائی گئی ہے وہاں مدرسہ بھی ساتھ ہے اس مسجد، مدرسے کی آبادی کے لئے ۸ طالب علم وہاں مقیم رہتے ہیں۔ مسجد میں باقاعدہ لاؤڈ سپیکر نصب ہے اور اس پر اذانیں دی جاتی ہیں، مسجد کے سامنے ایک خوبصورت باغیچہ بنایا گیا ہے۔ مسجد پرکشش مقام پر واقع ہونے کے ساتھ ساتھ اتنی جاذبیت رکھتی ہے کہ وہاں سے گذرنے والا ہر شخص اس کو دیکھے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا اس مسجد کی تعمیر سے گرجا گھر کا ماحول بے رونق ہو کر رہ گیا ہے۔

اس مدرسہ کے علاوہ پندرہ دیگر مدارس ہیں جو اسی ایسوسی ایشن کے تحت چل رہے ہیں۔ ان میں تین ہزار افریقی طلبہ زیر تعلیم ہیں، جب کہ ۵۵ مخلص اساتذہ کرام خوب جدوجہد کے ساتھ ان طلبہ کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے میں مصروف ہیں۔ ایسوسی ایشن کی طرف سے حاجی صالح محمد

نگرانی کے لئے مقرر ہیں،

وہ پندرہ مقامات جن میں مدارس قائم کئے گئے ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) کیسنی (۲) ریشو (۳) گرجتولا (۴) ملکنڈا کا (۵) مرتی (۶) گفرسا (۷) الیسا بوررو (۸) سرنیچو (۹) گباڈکس (۱۰) موررو گاش (۱۱) کروبیا (۱۲) اداپیسیا (۱۳) ملکاگالا (۱۴) ٹاڈاچابا (۱۵) نیروبی۔

نیروبی میں کافی مسلمان آباد ہیں یہاں ۱۰ بڑی مساجد قائم ہیں۔ اس الیشوبی کے زیر اہتمام قائم مدرسے کا ہم نے باقاعدہ معائنہ کیا۔ جس کا نام مدرسہ تحفیظ القرآن ہے (جدید نام مرکز احیاء تراث الاسلامی ہے) یہ ریلوے کالونی میں واقع ہے۔ اس مدرسے میں نوکمرے سمیت ایک بڑی مسجد ہے، یہاں کینیا کے مختلف علاقوں سے ۳۵ افریقن بچے مقیم زیر تعلیم ہیں، شہری بچے ان کے علاوہ ہیں، درجہ حفظ کے علاوہ اولیٰ تک عربی کی تعلیم بھی ہوتی ہے، کچھ مہینوں تک انشاء اللہ یہ مدرسہ ایک مرکزی حیثیت اختیار کر جائے گا۔

اس مدرسہ کی نگرانی مولانا قاری گل محمد کر رہے ہیں جو جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے فارغ ہیں۔ مدرسہ میں پڑھائی کے نظام الاوقات صبح ۸ بجے سے ۱۲ شام ۲ تا ۴½ اور عصر تا مغرب ہے، تمام رہائشی بچوں کے لئے قیام وطعام کا اچھا انتظام ہے۔ مولانا موصوف مغرب کے بعد جامع مسجد لانڈھی میں تعلیم بالغاں میں پڑھاتے ہیں۔ اور عشاء کے بعد اسی جامع مسجد لانڈھی میں مشکوٰۃ کا درس بھی مولانا کے ذمے ہے۔ یہ درس سواحلی زبان میں ہوتا ہے۔ جس میں کثرت سے مسلمان شریک ہوتے ہیں

مولانا موصوف نے ہماری ملاقات کے دوران یہ اعلان کیا کہ یہ مدرسہ افریقہ کے ممالک کے لئے ختم نبوت کا مرکز ہوگا۔ جہاں سے قادیانیت کی حقیقت سے مسلمانوں کو آگاہ کیا جاتا رہیگا، تبلیغی جماعت کی خدمات یہاں سب سے نمایاں ہیں۔ جہاں غریب افریقن مسلمانوں کو ورغلایا جارہا تھا اور وہ کسمپرسی کے عالم میں زندگی گذار رہے تھے، الحمدللہ نظام الدین دہلی سے مسلسل جماعتیں بھیجی گئیں جنہوں نے مسلمانوں کا رُخ موڑ دیا۔ مولانا محمد یوسف پالن پوری ایک سال کچھ مہینے یہاں مقیم رہے۔ ۸ مسجدیں بنائیں جن کی وجہ سے عیسائی مشنری کی سرگرمیاں کسی حد تک سرد پڑ گئی ہیں، نیز نیروبی سے ہر ہفتے ایک جماعت تین دن کے لئے نکلتی ہے جس کے اچھے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

عصر اور مغرب کے بعد مختلف احباب سے ملاقاتیں کی گئیں، جامع مسجد قوۃ الاسلام میں عشاء کی نماز کے بعد محترم باوا صاحب نے عقیدہ ختم نبوت اور ہماری ذمہ داری کے عنوان پر تقریباً ۴۰ منٹ تک گجراتی زبان میں خطاب کیا۔ خطاب کے بعد تمام حاضرین نے ہم سے گرمجوشی کے ساتھ ہاتھ ملائے۔ ان کے چہروں سے خوشی کے آثار جھلک رہے تھے۔ الحمدللہ۔ یہاں کے اکثر مسلمان نمازی دین کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہیں۔ علماء حق کے ساتھ ان کا رابطہ گہرا ہے۔

اس مسجد کے امام وخطیب مولانا شبیر احمد سالوجی ہیں جو جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے فارغ التحصیل ہیں۔ آپ جمعیۃ علماء ٹرانسوال کے رکن ہیں۔ دینی فکر آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ مغرب کے بعد آپ ریاض الصالحین (درس حدیث) اور فجر کی نماز کے بعد درس قرآن دیتے ہیں۔ چونکہ یہاں کی اکثریت انگریزی زبان بخوبی سمجھتی ہے اس لئے مولانا انگریزی میں ترجمہ اور تشریح کرتے ہیں۔ مولانا انتہائی خلیق، نیک، ملنسار اور خوش مزاج ہیں۔ پورے ساؤتھ افریقہ میں آپ کی امتیازی شان ہے، فجر کی نماز کے بعد تدریس کے لئے مدرسہ زکریا چلے جاتے ہیں جو یہاں سے دو میل کے فاصلہ پر ہے آپ درجہ ثانیہ کے طلباء کو پڑھاتے ہیں۔

۱۹ اکتوبر بروز جمعہ جوہانسبرگ میں محترم باوا صاحب نے نیو ٹاؤن جامع مسجد اور احقر نے جامع مسجد کرک اسٹریٹ میں خطاب کیا، باوا صاحب نے گجراتی اور انگریزی میں جبکہ راقم الحروف کا بیان اردو میں تھا۔

جامع مسجد کرک اسٹریٹ یہاں کی قدیم ترین مسجد ہے

تبلیغی جوڑ بھی یہیں ہوتا ہے۔ شام کو بعد نماز عصر اسی مسجد میں ہم نے تبلیغی اجتماع میں شرکت کی، اسی دوران مختلف احباب سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔

۲۰/ اکتوبر بروز ہفتہ صبح ۹ بجے ہم مدرسہ زکریا میں پہنچے، یہ مدرسہ فی الحال ۲۰ ایکڑ رقبہ ۲۵ کمروں پر مشتمل دار الاقامہ برائے طلبہ اور اساتذہ کے پانچ مکانات، مطعم مطبخ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہ مقام انتہائی پُرفضا، شہری آبادی سے دور، ایک پہاڑ پر واقع ہے، اس مدرسہ کے بانی جناب ابوبکر باتھیا ہیں جنہوں نے یہ زمین وقف کی ہے۔ اور مدرسے کا پورا خرچہ بھی آپ برداشت کرتے ہیں۔ بھائی ابوبکر مزید ۶۰ ایکڑ رقبہ خرید کر مدرسہ زکریا کے لئے وقف کرنا چاہتے ہیں، ایک عظیم الشان جامعہ کے علاوہ مدرسۃ البنات (لڑکیوں کے لئے دینی درسگاہ) بھی قائم کرنے کا آپ ارادہ رکھتے ہیں۔

اس مدرسہ کا افتتاح اسی سال ۱۵/ جنوری ۸۴ء کو ہوا۔ اس سلسلے میں مدرسہ زکریا میں ایک عظیم الشان مثالی جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں ساؤتھ افریقہ کے اکابر علماء کرام کو دعوت دی گئی۔ جن میں جمعیۃ علماء ٹرانسوال جمعیۃ علماء نتال، علماء کیپ ٹاؤن اور مخیر حضرات نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

اور ۱۶/ جنوری سے باقاعدہ تعلیم شروع کی گئی۔

بقیہ ص۱۱ پر

بقیہ حضرت ابن مسعودؓ

زیادہ محفوظ اور صحیح ہے، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس پر اعتماد کیا ہے؎

دوم مجاہد کا سلسلہ جو بواسطہ ابو معمر حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں۔ اسی لئے امام بخاریؒ نے ____ اپنی صحیح میں اس پر بھی اعتماد کیا ہے۔

سوم اعمش کا سلسلہ جو بواسطہ ابو وائل حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں یہ بھی صحیح اور بخاریؒ کے نزدیک معتمد ہے۔

چہارم سدی کبیر کا سلسلہ جو بواسطہ مرہ ہمدانی حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں۔ اس سلسلہ کی روایات کو حاکم نے اپنی مستدرک میں ذکر کیا ہے۔ اور تصحیح بھی کی ہے اور ابن جریرؒ نے تو کثیر تعداد میں اس سلسلہ کی روایات لی ہیں۔

پنجم ابو روق کا سلسلہ جو بواسطہ ضحاکؒ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن جریرؒ نے اس سلسلہ کی روایات بھی لی ہیں، لیکن یہ سلسلہ پسندیدہ نہیں ہے اس لئے کہ ضحاک جو حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کرنے والے ہیں انہیں حضرت ابن مسعودؓ سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہے، اس لئے یہ سلسلہ متصل نہیں ہے۔

قادیانی خاندان کا قبول اسلام

کنری سے مولانا محمد طفیل (مبلغ تھرپارکر) لکھتے ہیں۔

مورخہ ۲۷/۱۰/۸۴ بروز ہفتہ مسمی دلاور حسین ولد محمد اسماعیل قادیانی سکنہ کنری بمعہ اہل و عیال مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں تشریف لائے، اور قادیانیت سے تائب ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ اور مولانا محمد طفیل مبلغ مجلس کنری ضلع تھرپارکر اور جناب قیصر سلطان سیکرٹری مجلس کنری کے روبرو ایک حلفی بیان لکھتے ہوئے اقرار کیا کہ مرزا قادیانی اور اس کی امت کافر مرتد، جہنمی، لعنتی اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، اس وقت ان حضرات کے علاوہ معززین شہر بھی موجود تھے، جس پر تمام حضرات نے اس کو مبارکباد اور دعا کے ساتھ رخصت کیا۔ اس نے مزید کہا کہ اب میں ساری زندگی ختم نبوت کے عقیدہ کی حفاظت کے لئے کام کروں گا۔

قارئین سے بھی اپیل کی جاتی ہے کہ وہ ان کے حسن اسلام اور خاتمہ بالخیر کی دعا فرمادیں۔

واضح رہے کہ دلاور حسین صاحب کنری ٹاؤن کمیٹی کے ڈرائیور ہیں۔

WEEKLY **Khatme-Nubbuwat** KARACHI
Registered S. No. 3220

قسمت میں مری کاش مدینے کا سفر ہو

فیضِ شہِ لولاک ہو اس رنگ سے جاری
آتی رہے طیبہ سے مجھے بادِ بہاری

قسمت میں مری کاش مدینے کا سفر ہو
ہو اذنِ حضوری کبھی سرکار سے جاری

کب لاتا ہے خاطر میں وہ فردوس کے جلوے
جس نے تہِ دامانِ کرم عمر گذاری

اے سلسلۂ شوق ذرا اور فروزاں ہو
یہ کیفِ طرب خیز رہے روح پہ طاری

اس نور سے رخشندہ ہیں مہر و مہ و انجم
اتری درِ اقدس پہ فرشتوں کی سواری

اس شہر کا ہر ذرہ ہے صد طور در آغوش
بستی مری سرکار کی پُر نور ہے ساری

عالم کو نوازا ہے عنایت نے تیری
حافظ بھی ہے محتاجِ کرمِ رحمتِ باری

حافظ لدھیانوی